(قسط ۴۰) مرتب: مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی

عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات

۱۹۷۱ء۔۷۲ء / ۱۳۹۰ھ۔۱۳۹۱ھ کی ڈائری

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزہ و اقارب' اہل محلہ و گردوپیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔ آپکی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔ جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔ احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ' تحقیقی عبارت' علمی لطیفہ' مطلب خیز شعر' ادبی نکتہ' اور تاریخی مجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔ اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزارہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیران ذوق مطالعہ استفادہ کرسکیں۔ تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔ اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں...... (مرتب)

قومی اسمبلی میں حق وباطل کی نظریاتی کشمکش کی ایک جھلک

نوٹ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب ۱۹۷۱ء میں اپنے والد ماجد کے ممبر قومی اسمبلی منتخب ہونے پر ان کے ہمراہ معاونت کیلئے اسمبلی اجلاسوں کے دوران گیلریوں میں بیٹھ کر شریک ہوتے، اس دوران اسلامائزیشن کیلئے قراردادیں اور آئین میں مختلف اسلامی دفعات شامل کرنے کیلئے ترامیم وغیرہ جمع کرواتے تھے اور یہاں پر حزب اقتدار اور منتخب علماء کرام کی نوک جھونک کو حیطہ تحریر میں لاکر محفوظ بھی کرتے اور جسے گاہے بگاہے ''الحق'' میں شائع کرکے قارئین کو اس میں شریک بناتے، یہ بھی ڈائریوں کا حصہ ہے، بعد میں اسلامائزیشن کی اس جنگ کی رپورٹ مولانا مدظلہ کے قلم سے ''قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ'' کے نام سے چار سو صفحات میں شائع ہوئی، اسی سلسلہ کا ایک تاثراتی مضمون 'قومی اسمبلی میں تین دن' کے عنوان سے بطور نمونہ پیش خدمت ہے: (عرفان حقانی)

''قومی اسمبلی کا اجلاس اگرچہ مختصر رہا مگر اس لحاظ سے بہت کامیاب کہ اگر ایک طرف اسلامی آئین اور اقدار سے گریزاں افراد نے اپنے ترقی پسندانہ تجدد اباحیت، اور لادینی نظریات کے لئے پرانے

گھسے پٹے تمام دلائل اور حربوں سے کام لیا تو دوسری طرف اسلامی آئین کی عظمت اور برتری کی تڑپ رکھنے والے تمام افراد اور جماعتوں نے اس سلسلہ میں بے مثال اتحاد اور کامل یگانگت کا مظاہرہ کیا اور باہمی اختلاف فکر ونظر کو اس عظیم مقصد میں حائل نہ ہونے دیا، اور الحمد للہ کہ اس یکجہتی کی بدولت ایسے افراد تعداد کی قلت کے باوجود ماحول پر چھائے رہے۔

مسلمان کی تعریف کا مسئلہ

اجلاس کے آغاز ہی میں ایوان کی پچھلی انتخابی تلخی اور کھچاؤ کا سامنا کرنا پڑا ہمارے محترم دوست مولانا کوثر نیازی نے مولانا شاہ احمد نورانی اور جماعت اسلامی کا اس ضمن میں ''مسلم'' کی تعریف میں علماء کرام کے اس باہمی اختلاف کا بھی ذکر کیا جو کہ منیر انکوائری کے زمانہ سے ایک مفروضہ اور مغالطہ کی شکل میں اہل تجدد کا حربہ بنا چلا آرہا ہے، مولانا نیازی کا رخ جیسا کہ انہوں نے وضاحت بھی کی بقول ان کے جمعیت علمائے اسلام کے اکابر کی طرف نہیں تھا اور ان کے انداز بیان میں وہ تلخی اور شدت احساس بھی نمایاں تھا جو ۱۱۳ حضرات کے فتویٰ تکفیر کے بعد رہا۔ مگر اس مغالطہ انگیزی سے بہرحال ایوان میں موجود ان تمام مختلف النظر علماء کا موقف مجروح ہوسکتا تھا۔ جو اسلامی آئین کی عظمت اور مسلم کی تعریف پر متفق تھے۔ پھر اتنی شدت سے اس اختلاف کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا مقصد بظاہر یہ بھی تھا کہ عوام کو پہلے ہی مرحلہ میں باور کرایا جائے کہ علماء کے باہمی اختلافات ہیں جو اسلامی آئین کی راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں چنانچہ دوسرے دن پریس میں اس نوک جھونک کا ذکر ''مولاناؤں کے درمیان اسلامی آئین کے مسئلہ پر اختلاف اور کھچاؤ'' کے عنوان سے کیا گیا، جو سراسر حقیقت کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ ایوان میں موجود تمام علماء خواہ بریلوی یا دیوبندی ہوں یا جماعت اسلامی اور کنونشن اور کونسل لیگ سے متعلق حضرات اس معاملہ میں کامل متفق تھے۔ مولانا نیازی نے میرے خیال میں علماء کی نہیں بلکہ اپنی پارٹی اور حزب اقتدار کی پرزور وکالت فرمائی تھی۔

شیخ الحدیث کی پیش کردہ مسلم کی تعریف پر اتفاق

بہرحال ان حضرات نے مختلف مواقع پر اس اختلاف کی قلعی کھول دی اور آخری دن جب شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے اپنی تقریر میں تمام حزب اختلاف کی طرف سے مسلم کی متفقہ تعریف پیش کی اور ایوان سے استصواب پر ایوان کے دائیں بازو نے بھی خاموشی اختیار کر کے نیم رضا کا

اظہار کیا تو عملاً اس چیلنج کا جواب ہو گیا۔

تقریر کے بعد مولانا شاہ احمد نورانی ومحمود اعظم صاحب فاروقی اور دوسرے حضرات نے بھی مولانا کی تقریر کو سراہا۔ کراچی کے مولانا ازہری نے تو بار بار اپنی پریس کانفرنس میں بھی اس اتحاد و یگانگت کا ذکر کیا، ان کے اخبار المدینہ نے جلی سرخیوں کیساتھ شائع کر کے اس سے اتفاق کیا۔ حزب اختلاف کا موثر حصہ خان عبدالولی خان اور سردار شوکت حیات کی قیادت میں علماء کرام کا ہمنوا رہا اور یہ ان علماء کی بڑی کامیابی ہے۔ بالخصوص قائد جمعیۃ العلماء اسلام مولانا مفتی محمود اور مولانا ہزاروی کی مدبرانہ سیاست کی۔

مرزائیت اور کمیونزم پر اہل حق کے اجماع سے فرار کی کوشش

اس اختلاف کے پروپیگنڈہ کے شر سے خیر کا ایک پہلو یہ سامنے آیا کہ بار بار مرزائیت اور کمیونزم کے بارہ میں علماء کرام کو اپنا فریضہ ادا کرنے کا موقع مل گیا۔

ختم نبوت کے ذکر سے ایوان کے در و دیوار گونج اٹھے۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے نہایت جذبات میں اعلان کیا کہ جو کچھ بھی ہو ہم ہرگز یہ برداشت نہیں کریں گے کہ پاکستان کی صدارت پر کوئی مرزائی یا کمیونسٹ قبضہ کر سکے۔

پیپلز پارٹی کے ملک جعفر صاحب (جن کے مرزائی ہونے کی شہرت تھی) جب اپنی تقریر میں نہایت گستاخی سے اسلامی اقدار کی ہنسی اڑا رہے تھے اور پاکستان کا نام سوشلسٹ ریاست رکھنے پر زور دے رہے تھے۔ تو ان کی زبان سے بھی نکلا کہ آج کی بحث سے علماء کی طرف سے بہر حال یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ کم از کم کمیونسٹ اور احمدی کے کافر ہونے پر یہ لوگ متفق ہیں۔

آگے چل کر اس اجماع سے فرار کیلئے کہا گیا کہ ۱۹۵۶ء کے آئین میں بھی مسلم ہونے کی شرط نہ تھی اور بقول ان کے یہ بنیادی حقوق کے منافی بات ہے لیکن شاید ملک جعفر صاحب کو معلوم نہ تھا کہ مولانا ہزاروی کی جماعت تو اُس آئین کی اس وجہ ہی سے مخالفت کرتی چلی آرہی ہے۔ آگے چل کر ملک جعفر صاحب نے فرمایا کہ اس مسئلہ پر کہ کون مسلمان ہے، کون نہیں؟ ملک میں بالخصوص پنجاب (تحریک ختم نبوت) میں بہت بڑا فساد ہوا ہے جس کے ہم متحمل نہیں ہو سکتے۔ ملک صاحب کا خطرہ بجا ہے لیکن علماء تو مسلم کی تعریف اور وضاحت پر زور دیکر ایسے ہی خطرات کا سد باب کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمان کا جداگانہ تشخص ہی قیام پاکستان کا وجہ جواز بنا

اس کے علاوہ برصغیر میں مسلمانوں کی جداگانہ مسلم حیثیت کا تعین اور تشخص ہی تو ہے جو پچھلے سو سال سے مسلمانوں کے مختلف سیاسی اور آئینی مسائل اور بحرانوں سے نکالنے کا ذریعہ بنتا چلا آرہا ہے۔ برصغیر کے خاص حالات جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اس کی بات متقاضی رہنے کہ نہ صرف ہندو اور انگریز کے مقابلہ میں مسلمانوں کو اپنا ملی و جداگانہ حیثیت ثابت کرنا پڑا جو بالآخر تقسیم ملک اور قیام پاکستان کا ذریعہ بلکہ یہاں اسلام کے نام پر اٹھنے والی ان تمام تحریکوں کو اس جداگانہ امتیاز کی بدولت نبرد آزما ہونا پڑا۔ جو سنت نبوی ﷺ سے فرار اور ختم نبوت کے عقیدہ سے گریز پر مبنی تھے اگر مسلمان اس جداگانہ حیثیت پر اصرار نہ کرتے تو نہ پاکستان بن سکتا اور نہ ہم یہاں اسلام کی امتیازی شکل برقرار رکھ سکتے۔

مسلمان کی متفقہ تعریف ہماری سیاسی اور آئینی ضرورت

دیگر اسلامی ممالک کو ان مشکلات کا سامنا نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے مسلمان کی آئینی اور سیاسی تعریف و تشریح کو ضروری نہ سمجھا ہوگا، مگر یہ بات نہ صرف یہاں کی سیاسی اور آئینی ضرورت ہے بلکہ ملت کے اتحاد بقاء اور سالمیت کیلئے ریڑھ کی ہڈی جیسی اہمیت رکھتی ہے۔ فساد اور تباہی کا اندیشہ اس کی تشریح کی صورت میں نہیں بلکہ مبہم اور مجمل رکھنے کی صورت میں ہے کہ اس طرح مرزائی کمیونسٹ یا دوسرے غیر مسلم افراد چور دروازوں سے ملک کے کلیدی مناصب پر فائز ہوسکیں گے۔

عوام کی ہتک یا آئین سے دستبرداری

ملک جعفر کی یہ بات بھی بڑی عجیب تھی کہ صدر کا مسلمان ہونا ہم عوام پر کیوں نہ چھوڑیں؟ اور بقول افتخار الدین اس معاملے کو آئینی حیثیت دینا عوام کی ہتک ہے۔ تو کیا ملک صاحب عوام کو یہ حق دے سکتے ہیں کہ حکومت اور صدر مملکت کے اختیارات، دیگر انتظامی امور اور بنیادی حقوق سے متعلق دفعات بھی عوام ہی پر چھوڑ دیں اور اسی طرح تمام اقتصادی اور معاشی اصلاحات یا دیگر سماجی خرابیوں کا ازالہ اور اچھے برے کی تمیز بھی آئینی اور دستوری تحفظ کی بجائے عوام کی قوت تمیز پر چھوڑا جائے، کیا اس دلیل سے پورا آئین اور اس کا جبری نفاذ یا قانون کی بالادستی عوام کی ہتک نہیں ہوسکتی؟

ہمارے وزیر قانون صاحب کی بھی اسی طرح کی ایک مضحکہ خیز بات اخبارات میں آئی ہے، کہ نماز روزہ شراب زنا یعنی جن باتوں کا ذکر قرآن میں ہے اسے ہم آئین میں شامل نہیں کر سکتے......

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے

علماء کے بورڈ یا مشاورتی کونسل کی مخالفت

ملک جعفر صاحب نے اپنی تقریر میں علماء کے کسی خاص بورڈ یا مشاورتی کونسل کے قیام پر بھی کڑی تنقید کی اور حوالہ دیا پچھلے کئے گئے ایسے تجربات کا جو فائدہ مند ثابت نہ ہوئے، لیکن ملک صاحب یہ بھول گئے کہ پچھلے تجربات علماء حق اور دین کیلئے فائدہ مند ثابت نہ بھی ہوئے مگر شراب جوا اور سود حلال کر کے ملک صاحب جیسے لوگوں کیلئے تو بہرحال سود مند رہے۔ ایسی ناشکری اپنے محسنوں کی اور اتنے بھرے ایوان میں آج مساوات قسم کے جرائد میں شراب کی حلت پر جو دلائل اور مضامین آ رہے ہیں وہ تو ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس قماش کے محققین کی تے ہی ہے جسے چاٹ چاٹ کر ملت کے تن ناتواں کی غذائیت کا سامان ہو رہا ہے۔ ملک جعفر صاحب اور ان کے ہمنوا لوگوں کیلئے یہ بات بڑی خطرناک تھی کہ ایسا بورڈ اگر بنتا ہے اور اس میں حسب دستور قومی اسمبلی کے رکن ہی لئے جاسکیں گے تو یہ منتخب علماء جن میں ڈاکٹر فضل الرحمان جیسے لوگ نہیں مل سکتے، صحیح نہج پر کام کرنے لگ جائیں گے۔ اس لئے ملک صاحب نے اس بات پر خاص زور دیا کہ اگر ایسا کوئی رکن بورڈ میں شامل ہوتا ہے تو اسکی رکنیت اسمبلی ختم کر دی جائے......

اس مرحلہ پر ہمارے مرد قلندر مولانا غلام غوث صاحب سے نہ رہا گیا، اور پوائنٹ آف آرڈر پر اُٹھ کر کہا۔ کہ جناب صدر میں اس میں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی رکن مرزائی ہے تو اسکی ممبری بھی ختم کر دی جائے۔ اس پر ملک صاحب خفیف سے ہو کر بیٹھ گئے اور ساری گھن گرج کی ہوا مولانا نے ایک ہی نشتر سے نکال دی۔

مسلمان کی تعریف پر ایک اور مخالفانہ نقطہ نظر

پی پی پی کے ڈاکٹر محمود بخاری نے بھی مسلمان کی تعریف کے مسئلہ پر مخالفانہ نقطۂ نظر پیش کیا وہ اور ان کے ہمنوا اس بات پر خاصے برہم تھے کہ اس طرح اختلاف وانتشار کو ہوا دیکر اسلام کے ایک مسلمہ فرقہ (مرزائیت) پر حملے کر کے فرقہ بندی کو ہوا دی جارہی ہے۔ مگر علماء کسی طرح بھی ایک ایسے فرقہ کو اسلامی فرقہ کہنے پر تیار نہ تھے جسے متفقہ طور پر اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ بخاری صاحب نے مسلمان کا ایک ایسا مفہوم مختلف حوالوں سے پیش کیا گویا تیمّم نہ بود گنج خدا بود۔

ایک دفعہ مسلمان کہلانے کے بعد کفر و الحاد کی کوئی ایسی بات نہ رہی جو اس مفہوم میں سما نہ سکے۔ اسمبلی میں بخاری صاحب کوثر نیازی صاحب کے ہم نشین تھے۔ ان کی تقریر کے دوران مولانا شاید اتفاق سے غائب تھے۔ مگر بخاری صاحب کی غلط سلط عربی اسماء کلمات کا تلفظ اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ یہ باتیں ان کے لئے نئی ہیں اور مولانا نے جاتے جاتے حق جوار ادا کرتے ہوئے انہیں کچھ نہ کچھ القاء کرا دیا

ہے۔ اس خیال کا اظہار ایک موقعہ پر بخاری صاحب سے میں نے کر بھی دیا مگر وہ ہنسی میں ٹال گئے اور کہا کہ وہ خود اس موضوع پر ایکسپرٹ ہیں بخاری صاحب نے اپنی تقریر میں اس بات پر بھی زور دیا کہ موجودہ آئین پچھلے تمام دساتیر سے زیادہ اسلامی ہے۔

وزیر قانون اور قرآن کا غلط سہارا

وزیر قانون صاحب نے ایک مرتبہ آئین میں شراب کی ممانعت کی بجائے حوصلہ شکنی کی تادیل میں کہا کہ جب قرآن میں صریح ممانعت کے باوجود لوگ اس پر عمل نہیں کرتے تو آئین میں آجانے سے کیا فرق پڑیگا تو علماء کی جانب سے فوراً کہا گیا کہ پھر تو جواء پر پابندی کے تکلف بیجا کی کیا ضرورت ہے، جبکہ اس کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے، اس کا جواب حزب اقتدار کی جانب سے نہ ہوا۔

خواتین ارکان اور مغرب زدگی کا بھرپور مظاہرہ علماء پر تیرونشتر زنی

خواتین ارکان نے تقریباً یک زبان ہو کر حقوق کے نام پر مغرب زدگی کا مظاہرہ کیا اور آزادی واباحیت کے وہ تمام تیر چلائے جو بار بار استعمال کی وجہ سے کند ہو چکے ہیں۔ بیگم نسیم جہاں نے کہا کہ ہمیں مغرب زدہ کہا گیا ہے، مگر کیا یہ مغرب زدہ لاوڈ سپیکر ٹھیک کام نہیں کر رہا؟ پھر تان مولوی بیچارے پر ٹوٹی اور کہا کہ اس طرف بیٹھنے والے احباب (علماء) محسوس نہ کریں۔ ان کا شغل ہی تکفیر ہے۔

کمال اتاترک، سرسید علامہ اقبال اور ہمارے بھٹو صاحب پر بھی کفر کا فتویٰ صادر کر دیا گیا ہے۔ اسلام میں ملائیت کی گنجائش نہیں۔ اس مرحلہ پر پھر مولانا غلام غوث اُٹھے اور کہا: محترمہ سر چھپا کر بات کریں اس ایوان کے احترام کی خاطر سہی۔

خواتین کے مسائل کا حل سوشلسٹ نظام میں

آگے چل کر محترمہ نے کہا جوا اور شراب کی بات کرنے کی بجائے سرمایہ داری اور اجارہ داری پر توجہ دینی چاہیے۔ آج بھٹو صاحب کی اصلاحات کی وجہ سے ہم پر نکتہ چینی کی جا رہی ہے۔ مگر ہم بیدار ہو گئی ہیں۔ استحصال قبول نہیں کریں گی۔ پھر آگے چل کر لاجواب بات کہی کہ علماء کی ایسی ہی تعبیرات کی وجہ سے بنگلہ دیش نے سیکولرزم قبول کر لیا ہے۔ سپیکر نے کہا محترمہ یہ جنگ آج ختم نہیں ہو گی۔ مگر وہ کہتی جا رہی تھیں کہ عورت اپنے مقام پر تب پہنچے گی کہ اس کی زنجیریں ٹوٹ جائیں اور پورا سوشلسٹ نظام اپنایا جائے۔

زنانہ استحصال؟ مولانا ہزاروی کا معنویت سے بھرپور طنز

ایک دوسری خاتون بیگم عباسی بھی اٹھیں اور عورتوں کے استحصال کا رونا رویا مولانا ہزاروی سے رہا

نہ گیا اور اٹھ کر سپیکر صاحب سے مخاطب ہوئے: صدر صاحب یہ عورتوں کا استحصال کیا معنی؟ اسکی تشریح کی جائے۔ ایک زبردست قہقہہ سے ایوان کشت زارزعفران بنا نہ صرف اسمبلی کے چیئرمین صاحب بلکہ پورا حزب اقتدار بھی مولانا کی اس معنویت سے بھرپور طنز سے محظوظ ہونے لگا۔ مولانا کی آواز پھر گونجی۔ محترم! یہ غریبوں کا استحصال تو سنتے آئے ہیں، یہ زنانہ استحصال کیا ہوتا ہے۔ پورا ایوان لوٹ پوٹ ہوگیا اور بولنے والی محترمہ خفیف ہو کر کہنے لگیں۔ ہم تو غریب ہیں مردوں کے رحم وکرم پر ہیں۔ مگر مولانا کی اس طنز میں تو عورتوں پر اس رحم وشفقت کا ایک دریا موجزن تھا جو اسلام نے عورتوں کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔

خواتین اپنے استحصال میں جذب ہوگئیں

استحصال کہاں ہوتا ہے۔ کلب میں جب وہ شمع محفل بن گئی، فلموں میں جب وہ زینت کا پردہ بن گئی، پبلسٹی میں جب اسے بکاؤ مال کے پہلو میں جگہ دی گئی مگر آہ اس استحصال میں وہ ایسی جذب ہوگئی کہ نجات کی ہی آواز کو صدائے قید و بند سمجھنے لگی اور آج وہ اسی نام پر اپنے استحصال کیلئے کھلی چھوٹ مانگ رہی ہے۔

عائلی قوانین یا خواتین کے طلاق کا دروازہ

پشاور کی مسلم لیگی خاتون ممبر بیگم شیرین وہاب نے عورتوں کے حقوق پر زور دیا، مگر منہ سے ایسی معقول بات بھی نکلی کہ استحصال کا سارا بھرم کھول دیا۔ عائلی قوانین نے عورتوں کو جن آلام ومصائب میں ڈال دیا ہے ایک ہی وار میں اس کا کام ختم کر دیا، کہنے لگیں کہ تعدد ازدواج پر پابندی سے مردوں کو مجبور کر دیا ہے کہ دوسری شادی کی خاطر وہ پہلی بیوی کو اگرچہ وہ کئی بچوں کی ماں کیوں نہ ہو، طلاق دیدے اور نئی شادی کیلئے راستہ نکالدے۔

یہ ایک جھلک تھی اس نظریاتی کشمکش کی جو اسمبلی میں دیکھنے میں آئی۔ صدر مملکت کے وسیع اختیارات بنیادی حقوق، صوبائی خود مختاری کے حدود مارشل لاء کی دفعات کا تحفظ نیم صدارتی و پارلیمانی آئین، مرکز میں وفاقی پارلیمانی نظام، ان سب چیزوں پر بھی بحث مباحثہ ہوا، مگر زیادہ تر آئین کی اسلامی دفعات اور اسلامی حیثیت ہی زیر بحث رہے۔ شراب، فحاشی، ریس اور سود کی عدم ممانعت، عائلی قوانین کی غیر اسلامی دفعات کا تحفظ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہو، مسلمان کی تعریف اور کتاب وسنت کے منافی قوانین کو ختم کرنے کی مدت کا تعین نہ ہونے کے بارہ میں جمعیۃ العلماء اسلام (۱) کی ترامیم شامل نہیں کی گئیں، نہ دیگر علماء کی متفقہ تنقید کو خاطر میں لایا گیا۔

---

(۱) ان ترامیم اور اس پر بحث مولانا مدظلہ کی مرتب کردہ رپورٹ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (مرتب)

استحصال زدہ قبائلی اراکین اور خان قیوم کا ہر معاملہ میں ’’فل سپورٹ‘‘

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ آئین پر رائے شماری میں حصہ ہی نہ لیا جائے اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس معاملہ میں حزب مخالف کی ساری جماعتیں مکمل طور پر متفق رہیں قبائلی آزاد ممبر جو الیکشن سے نہیں سیلیکشن سے ایوان میں آتے ہیں، زیادہ تر حزب اقتدار کے استحصال کا شکار رہے اور مضبوط مرکز کے علمبردار خان قیوم صاحب نے تو ہر معاملہ میں فل سپورٹر بننے کی اتنی کوشش کی کہ گیلری میں بیٹھے ہوئے بعض تماشائی تو انہیں ’فل سپورٹ‘ کے نام سے یاد کرنے لگے۔ تاہم قبائلی ارکان آئین پر رائے شماری میں حزب اختلاف کے ساتھ بیٹھے رہے اور عجیب گومگو کے عالم میں ادھر یہ لوگ اپنے عوام سے اسلامی آئین کے سلسلہ میں جمعیۃ العلماء اسلام کی حمایت کے وعدے کر چکے تھے۔ اُدھر استحصال کے شکنجہ میں کسے ہوئے تھے پھر بھی قبائلی رہنما ملک جہانگیر خان صاحب نے کچھ حد تک یہ کہہ کر وعدہ کو نباہنا چاہا کہ ہم سات ارکان نے قوم سے اسلامی آئین نہ بننے کی صورت میں واپس ہو جانے کا وعدہ کیا اور ہم اس صورت میں ایوان چھوڑ بھی سکتے ہیں۔ ملک نعمت اللہ خان شنواری نے بھی کہا کہ آئین کی اسلامی حیثیت کے بارہ میں ہم مفتی محمود اور مولانا عبدالحق صاحب کی رائے کے ساتھ ہوں گے۔ اب دیکھنا ہے کہ مستقل آئین کی تدوین کی صورت میں یہ وعدہ کیسے شرمندہ ایفاء ہوتا ہے۔

ایوان میں علماء کی آمد سے خوش آئند تبدیلی

مجموعی حیثیت سے ایوان پر کون چھایا رہا اور کون پس منظر میں اس کا فیصلہ عوام پر چھوڑ دینا بہتر ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ایوان میں علماء کی شکل میں وقار اور تقدس کی جھلکیاں نظر آنے لگیں۔ جبہ دوستار، متشرع چہرے، اور نماز کے وقت نماز کا اہتمام اور رسم تعزیت کے لئے کھڑے ہونے کی بجائے رسم فاتحہ خوانی اور بعض تقریروں میں حمد وصلوٰۃ یہ باتیں نئی تھیں مگر ایک خوش آئند تبدیلی کی علامت پہلے دن عصر کے وقت مفتی محمود صاحب نے نماز کے وقفہ کیلئے نکتہ اعتراض اٹھایا، اجلاس ملتوی ہو گیا۔ عصر کو نیچے لابی میں مولانا عبدالحق صاحب نے اور مغرب کو مولانا مفتی محمود صاحب نے جماعت پڑھائی۔ گو شرکت کرنے والے ۲۰، ۲۵ سے متجاوز نہ ہوئے مگر اس کا فائدہ یہ ہوا کہ صدر پاکستان نے تقریر شروع کرنے سے قبل اعلان کیا کہ نماز مغرب کے لئے تقریر روک دی جائے گی۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی مسلم کی تعریف کے سلسلہ میں قومی اسمبلی میں ایک اہم خطاب

۲۷ اپریل ۴ بجے: (نحمدہ و نصلی) جناب چیئرمین صاحب! اس معزز ایوان پر دو قسم کی ذمہ داریاں ہیں۔ ایک تو اللہ مالک الملک کی جانب سے ہم پر ذمہ داری ہے اور وہ یہ کہ ہمیں اس اقتدار کی کرسی پر لا کر جانچنا چاہتا ہے کہ میرے ان بندوں کا جن کو ڈیڑھ سو برس بعد غلامی سے نجات دی گئی ہے۔ آزادی کے بعد ان کا سلوک ان کا طریقہ عبدیت اور ان کا شکر مولیٰ کے کرم کے مطابق ہے یا نہیں اور دوسری ذمہ داری خدا کی مخلوق کی جانب سے ہے کہ ہم نے ان سے وعدہ کیا اور کچھ ذمہ داریاں اپنے اوپر ڈال دیں کہ ہم مظلوموں کی اور ان لوگوں کی جن کی حق تلفیاں ہوئی ہیں۔ ان کے حقوق کی ادائیگی کے لئے کیا کچھ کرتے ہیں اور وہ کس طرح ادا کی جائیں۔

خداوند کریم کا ماننا اور اس کو حاکم اعلیٰ ماننا یہی ایمان ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ان الحکم الا للّٰہ حکومت اور حاکمیت صرف اللہ جل مجدہ کی ہے اور ہم لوگ بلکہ روئے زمین کے تمام باشندے بالخصوص مسلمان ان سب کی حیثیت تنفیذ احکام کرنے والوں کی ہے۔ اللہ کے احکام کی تنفید کرانا ہمارا فرض ہے نبی کریم ﷺ نے تنفیذ کے ساتھ ان احکام کی تشریح بھی کی ہے۔

کل لفظ مسلمان پر لے دے ہوئی تھی اور ایک مطالبہ ہوا تھا کہ اگر ہم مسلم ہیں تو مسلم کی تعریف کیا ہے؟ (اور کہا گیا تھا کہ اسکی تعریف پر اتفاق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے دستور میں اس کی تعریف شامل نہیں کی جاسکتی) تو گذارش ہے کہ مسلم ایک ایسا لفظ تو ہے نہیں جس کا کوئی مفہوم ہی نہ ہو، اور مہمل لفظ ہو۔ اگر ایسا ہوا تو گویا دنیا کے اسی کروڑ مسلمان ایک مہمل لفظ کے مصداق ہوں گے۔ (لہٰذا یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے) رہا یہ کہنا کہ اس کی تفسیر اور تعریف میں اختلاف ہے۔ (تو یہ ایک مغالطہ ہے) حقیقت یہ ہے کہ اس کی تعریف میں کوئی اختلاف نہیں۔ ایمان اور اسلام کا مفہوم سب کو معلوم ہے کہ۔ التصدیق بجمیع ماجاء به النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

اردو میں مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہ شخص جو وحدانیت پر یقین رکھتا ہو اور کتاب وسنت یعنی قرآن مجید، احادیث اور ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہو۔ پیغمبر کے تمام محبتات پر یقین کرنا اور حضور ﷺ کو آخری نبی ماننا بایں معنی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو نہ بروزی نہ ظلی نہ تبعی نہ مستقل کسی قسم کی نبوت نہیں مل سکتی جس طرح دنیا میں آخری اور سب سے کامل روشنی آفتاب کی ہے، اس کے اوپر

کوئی روشنی مادیات میں نہیں نہ اس کے بعد کسی روشنی کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاالشمس فی نصف النہار ہیں ان کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی اور اس کے بعد کتاب وسنت اور ضروریات دین کا وہی مفہوم مانتا ہو جس پر خیر القرون کا اتفاق رہا یعنی اب کوئی شخص صلوٰۃ وزکوٰۃ کا معنی اپنی طرف سے نہیں کرسکتا۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں تابعین کے دور میں جو مفہوم تھا۔ ان تمام مفاہیم کو اسی طریق پر مانے یہ ہے مسلمان۔

بہرحال ضروریات دین پر یقین اور محمد الرسول ﷺ کو آخری نبی ماننا لازمی ہے۔ پہلے سے جن حضرات کو نبوت ملی، جیسے حضرت عیسیٰ وہ اگر قیامت سے پہلے تشریف لائیں تو ان کو تو نبوت کئی سو برس پہلے مل چکی ہے، ان کا آنا اس کے منافی نہیں۔ آپکے بعد قیامت تک کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی۔

پس جبکہ ہمارے آئین میں یہ دفعہ رکھی گئی ہے کہ ملک کا سربراہ مسلم ہوگا تو ہم آپ کی وساطت سے اپنے معزز وزیر قانون سے استدعا کرتے ہیں کہ یہاں علماء کے جتنے طبقے موجود ہیں سب کو اس مفہوم پر میرے ساتھ متفق پائیں گے۔ اس لئے اگر ہم نے آئین میں مسلمان کی تعریف کا معاملہ طے کر دیا تو بہت سی مشکلات اور مسائل سے نکل جائیں گے۔ (حضرت کی تقریر کو صرف پانچ چھ منٹ گذرے تھے اور کئی اہم امور پر گفتگو باقی تھی کہ اسپیکر نے وقت ختم ہونے کا اعلان کر کے تقریر ختم کرا دی۔ حضرت نے اس کے بعد سوالیہ انداز میں ایوان سے اس تعریف پر رائے معلوم کرنا چاہی جس پر تمام حزب اختلاف نے مکمل اتفاق ظاہر کیا اور حزب اقتدار نے خاموشی اختیار کی۔ (الحق مئی ۱۹۷۶)

شیخ الحدیث حضرت والد ماجد کے تعزیتی تاثرات

استاذ محترم حضرت علامہ مولانا رسول خان ہزاروی مرحوم کی وفات

۲۱ نومبر ۱۷ء: حضرت مولانا رسول خان ہزاروی انتقال فرما گئے، دارالعلوم میں غم ورنج کی فضا ہے، مرحوم والد محترم کے اساتذہ میں سے تھے، میرے اصرار پر حضرت نے یہ تعزیتی تحریر خود قلمبند کی۔

حضرت الاستاد المحترم مولانا مرحوم کی جدائی نہ صرف پورے برصغیر بلکہ دیگر کئی ممالک کے علمی ودینی حلقوں کیلئے بھی بہت بڑا صدمہ ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون فان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ حضرت العلامہ جامع المعقول والمنقول مولانا رسول خان صاحب قدس سرہ العزیز دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے اساتذہ کرام میں سے تھے، حضرت کا علم بحر بے پایاں اور عمیق تھا، حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ کی

طرح حضرت مرحوم بھی تمام علوم عقلیہ اورفنون کے امام تھے پھر معقولات کے ساتھ منقولات پر بھی دسترس حاصل تھی ،دارالعلوم دیوبند میں علم کلام وفلسفہ ومنطق کی اونچی کتب مثلاً قاضی شرح سلم ،صدرا،شمس بازغہ، مسامرہ ،امور عامہ،شرح اشارات ،شرح عقائد جلالی ،اور کبھی طحاوی شریف ،بیضاوی مسلم شریف بھی پڑھاتے تھے،ناچیز کے نہایت مشفق استاذ تھے ،اور دارالعلوم دیوبند کی طالب العلمی کے دوران معقولات میں قاضی شرح سلم العلوم ،صدرا،شمس بازعہ اور احادیث میں طحاوی شریف ،کلام میں شرح عقائد جلالی ، مناظرہ میں رشیدیہ وغیرہ کئی کتابوں میں ان کا شرف تلمذ حاصل ہوا۔

قیام پاکستان کے بعد لاہور میں جامعہ اشرفیہ کے جلسوں میں جب جانا ہوتا ،اور وہاں میں زیارت کیلئے حاضر ہوتا ،تو دارالعلوم حقانیہ کی علمی ترقیات بالخصوص اس میں معقولات کی درس وتدریس کے اہتمام پر بہت مسرت کا اظہار فرماتے اور ہمیشہ خاص دعاؤں سے نوازا کرتے تھے ،دیوبند میں انہی کے ہمعصر حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم بھی علوم وفنون میں یکتا اور امام وقت تھے ،ناچیز نے ان سے علم حدیث میں مسلم شریف اصول فقہ میں توضیح تلویح ،اور مسلم الثبوت ،علم منطق ،وفلسفہ میں امور عامہ ،شرح اشارات وغیرہ پڑھیں ،دونوں حضرات میں دیگر تمام اساتذہ کرام کیطرح بے حد محبت اور ربط وتعلق رہتا اور ایک دوسرے کی قدر دانی اور اعتراف کمالات میں پیش پیش رہتے طلباء دارالعلوم دیوبند کی علمی ترقی میں حضرت مولانا مرحوم کی مساعی کو بڑا دخل رہا ،طالبعلموں کی کتاب دانی اور مطالعہ کا طریقہ بتلاتے ،طالب العلم تھوڑی سی عبارت پڑھ لیتا ،پھر حضرت اول تو عبارت کتاب کے مطلب اور مفہوم کی وضاحت فرماتے ،مرادات سے عبارت کا انطباق فرماتے پھر قیودات کے فوائد بیان کرتے اور نقض وابرام کر کے مسئلہ کو نہایت منقح کردیتے اور اس کے بعد نفس مسئلہ اور فنی مباحث پر تفصیلی تقریر ہوتی گویا دقائق وحقائق کا ایک سمندر موجزن ہوتا اور ان کی زبان سے گویا علمی جواہرات اور موتی جھڑتے تھے۔

حضرت طلباء پر از حد شفیق تھے متانت اور وقار کے پہاڑ تھے ،بردباری اور تحمل کا پیکر تھے اور نہایت نفیس الطبع بھی تھے ،لباس ،چال ڈھال ہر چیز میں نفاست مترشح ہوتی ،مادری زبان پشتو تھی مگر دیوبند میں گھر سے باہر کبھی بھی پشتو بولتے نہیں دیکھا۔اس بے نظیر علم کے ساتھ تواضع بھی از حد تھی ایک ادنی تلمیذ سے بھی ایسی گفتگو فرماتے کہ جیسے کوئی بڑے عالم سے ہم کلام ہو،تقوی کا مجسمہ تھے،اواخر عمر کا اکثر حصہ ذکر واذکار فکر ومراقبہ تبلیغ وارشاد میں گذارا ،قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سے لیکر اب تک جامعہ

اشرفیہ لاہور میں حدیث کی تدریس فرماتے رہے، اور یہ جامعہ کی خوش بختی تھی کہ اسے ایسا نمونہ سلف بزرگ مل گیا، تھا، جامعہ میں ان کا ترمذی شریف کا درس بے نظیر ہوا کرتا تھا، پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کے اسلاف میں سے تھے، افسوس کہ اکابر سب چلے گئے مگر کوئی بدل نہیں مل سکے گا، بلکہ ایسے جامع الصفات اکابر کا کسی ایک وصف میں بھی بدل نہیں ہوسکتا، واقعی موت العالم موت العالم کا منظر سامنے ہے، اور علامات قیامت میں سے علامت رفع علم بقبض العلماء کا کامل ظہور ہو رہا ہے، حق تعالیٰ مشفق استاد حضرت مرحوم کو قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر فائز فرماوے اور ہم اخلاف کو ان کے نقش قدم اور اسوہ پر چلنے کی توفیق دے۔

ناچیز اور دارالعلوم حقانیہ کے تمام متعلقین مولانا مرحوم کے پسماندگان اور جامعہ اشرفیہ کے منتظمین کے ساتھ اس صدمہ میں شریک اور یہ پوری علمی برادری کا مشترکہ صدمہ ہے، رضی اللہ عنہ وارضاہ (بندہ عبدالحق عفی عنہ)

مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس اور شیخ الحدیث کا خطاب

دارالعلوم حقانیہ کے دارالحدیث ہال میں ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز اتوار مجلس شوری دارالعلوم کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا ملک کے مختلف حصوں سے ارکان شوریٰ نے شرکت کی جلسہ کی صدارت مولانا الحاج میاں مسرت شاہ صاحب کاکاخیل نے فرمائی قاری محمد امین صاحب وقاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی کی تلاوت کلام پاک کے بعد والد ماجد مہتمم دارالعلوم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے دارالعلوم کے تعلیمی اور انتظامی شعبوں کی کارکردگی اور آئندہ تعلیمی عزائم اور منصوبوں، نیز سال گذشتہ وسال رواں کے بجٹ کی تشریح پر ایک مفصل رپورٹ پیش کی۔

سال گذشتہ کے آمد وخرچ پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے بتایا کہ سال ۱۳۹۰ء میں دارالعلوم کے علمی واشاعتی اور انتظامی شعبوں پر ایک لاکھ پچانوے ہزار بیس روپے ستر پیسے خرچ ہوئے اور ایک لاکھ چھیانوے ہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے ستاون پیسے کی آمدنی ہوئی سال گذشتہ کے منظور شدہ اور واقعی مصارف کی کمی بیشی پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے سال رواں ۱۳۹۱ھ کے لئے دو لاکھ بائیس ہزار پانچ سو نوے روپے اڑتالیس پیسے کا خسارہ ہے، مگر خداوند تعالیٰ کے فضل وکرم کے بھروسہ پر متوقع آمدنی کے پیش نظر مجلس شوری نے مذکورہ بجٹ کی منظوری دے دی، حضرت مہتمم صاحب نے اگلے عزائم کے سلسلے میں

دارالعلوم میں حفظ وتجوید،فنِ طب اور دیگر بعض صنعتی علوم کی اہمیت پر زور دیا نیز قدیم علوم کے ساتھ جدید سائنس ، ریاضی اور حساب کے بنیادی مباحث کو نصاب میں جگہ دینے پر زور دیا ،تعمیرات کے سلسلہ میں آپ نے ہاسٹل مہمان خانہ اور ایک وسیع لائبریری کی تعمیر کا منصوبہ پیش کیا اور کہا کہ اہل خیر مسلمانوں کی توجہات شامل رہیں تو دارالعلوم کی تعلیمی اور تعمیری ضروریات جس کے لئے سرمایہ کی اشد ضرورت ہے۔وہ خدا کے فضل وکرم سے پوری ہوں گی۔

انہوں نے کہا کہ مسلمان اپنی تاریخ کے ہر دور میں اسلامی تعلیمات اور علوم نبویہ ﷺ کی بدولت مشکلات اور مصائب سے نکلے اور برصغیر میں عہد غلامی کے باوجود بھی اگر اسلام اپنی شکل میں قائم رہ سکا تو یہ ان دینی مدارس اور اسلامی علوم ہی کا نتیجہ تھا،انہوں نے جن افسوسناک حالات سے ملک دوچار ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ان حالات نے روز روشن کی طرح ثابت کردیا ہے، کہ اس ملک میں مسلمانوں کی بقاء وسلامتی صرف اسلامی علوم اسلامی آئین اور حضور ﷺ کی تعلیمات اور طریقہ زندگی پر موقوف ہے،انہوں نے مزید فرمایا کہ موجودہ بحران میں بنیادی حصہ ہماری جدید تعلیم گاہوں اور نظام تعلیم کا دینی تعلیم وتربیت سے یکسر خالی ہونے کا ہے حالانکہ اس وقت نظام تعلیم کو دینی اور اخلاقی بنیادوں پر مرتب کرنے کی اہمیت قوم کیلئے رگ وجان سے بڑھ کر ہے،اجلاس کے آغاز میں پچھلے اجلاس شوری کے بعد وفات پانے والے مجلس شوری کے مرحوم اراکین اور دیگر معاونین کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مجلس شوری سے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرائی۔ دارالعلوم کو داغ مفارقت دینے والے ان حضرات کے نام یہ ہیں، جناب الحاج میاں غلام سرور شاہ صاحب حکمت آباد جناب کرنل عثمان شاہ نوشہرہ جناب عبدالغفور خان صاحب پیر پیائی۔

ختم بخاری شریف کی تقریب

یکم شعبان ۱۳۹۱ھ کو بعد از نماز عصر دارالعلوم کی وسیع جامع مسجد کے صحن میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوئی ،حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے طلبہ دورہ حدیث کو ختم بخاری کراتے ہوئے علم کے مقاصد ،اہمیت ،فضیلت اور ذمہ داریوں پر موثر اور رقت انگیز خطاب فرمایا،اور فارغ ہونے والے فضلاء کو حدیث پڑھنے پڑھانے کی اجازت ،سند حدیث عطاء فرمائی اس تقریب میں اس سال کے شریک دورہ حدیث ۱۱۹ طلباء کے علاوہ تمام طلبہ دارالعلوم واساتذہ اور بہت سے خوش نصیب حضرات نے شرکت فرمائی، یہ ایمان پرور تقریب شام کی نماز پر ختم ہوئی۔